Rizwan Ullah
D-178, Abul Fazl Enclave-I
Jamia Nagar, New Delhi - 110025
Tel: +91-9971283786, 9891832189
Email:ruilmi@rediffmail.com
Web: www.Rizwanullah.com

جہان فارس کی نشاۃِ ثانیہ

رضوان اللہ

حال ہی میں ایک موقع پر وزیر اعظم جناب نریندر مودی نے فرمایا کہ ہم دنیا کے دوسرے ملکوں سے بے تعلق ہو کر نہیں رہ سکتے۔ وہ اپنی حکومت کے قیام کے بعد سے دنیا کے بیشتر ممالک کی سیر کر چکے ہیں۔ وہاں اور مختلف بین الاقوامی اداروں میں بھی دنیا بھر کے قائدین سے ملاقاتیں اور تبادلہ خیالات کر چکے ہیں۔ ان میں سے کئی ملکوں اور ہندوستان کے درمیان مختلف معاہدے بھی ہوئے ہیں۔ وزیر اعظم نے موجودہ دنیا میں جس حقیقت کا اظہار کیا ہے اسے انھوں نے بچشم خود ساری دنیا میں کارفرما دیکھا۔ دراصل دنیا کے سارے ممالک کا انحصار باہمی روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ عمل متعدد سمتوں میں اور متعدد پہلوؤں سے جاری ہے۔ تجارت وہ قدیم ترین عمل ہے جو ممالک اور اقوام کے درمیان مضبوط رشتوں کا موجب رہا ہے۔ اب اس تجارتی رشتے میں بھی اس قدر وسعت پیدا ہوئی ہے کہ دھاگے، اناج، معدنیات سے لے کر انتہائی تباہ کن اسلحہ تک اس کے دائرہ کار میں شامل ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد دفاع اور باہمی تحفظ کی ضرورت نے ملکوں اور قوموں کو ایک دوسرے سے قربت بڑھانے اور تعلقات میں استواری پیدا کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ وزیر اعظم کے اس بیان میں بے پناہ وسعتوں کے امکانات نظر آتے ہیں۔

قیاس ہے کہ وزیر اعظم کا اشارہ مغربی دنیا خصوصاً امریکہ سے تعلقات بڑھانے اور رشتوں کو زیادہ استوار کرنے کی طرف رہا ہوگا۔ ان رشتوں میں بنیادی تبدیلیاں بھی ہو رہی ہیں اور نئی جہتوں کے اضافے بھی ہو رہے ہیں۔ ہمارے ملک کو ایک بڑی منڈی کے طور پر مغربی خصوصاً امریکی تجارتوں اور صنعتوں کے لیے کھول دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے یہ نئی قربتیں جس قدر بڑھتی جائیں گی سابق سوویت یونین، موجودہ روس سے ہندوستان کی ماضی کی قربتیں کم ہوتی جائیں گی۔ اس بدلتے ہوئے منظر نامے کے سود و زیاں کا حساب تو کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد ہی ہو سکے گا۔

لیکن بدلتے ہوئے عالمی منظر نامے کے بعض دیگر حقائق کی طرف بھی وزیر اعظم کی توجہ مبذول کرانا ضروری ہے گو یہ حقائق ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہوں گے تاہم سوال ترجیحات کا اور تقدیم و تاخیر کا ہوا کرتا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک سے جنھیں اس تحریر میں ''جہانِ فارس'' سے تعبیر کیا گیا ہے ہندوستان کے رشتے شاید قدیم ترین ہیں کیونکہ اس خطہ میں نوع انسانی کا دھارا انہی راہوں سے گزرتا ہوا شمال سے جنوب کی طرف آتا رہا ہے۔

اس کی روانی میں کبھی فرق نہیں آیا، ہمالیائی بلندیاں بھی اس میں سدِ راہ نہیں ہوئیں، ان کے درمیان درے اور گزرگاہیں تلاش کرلی گئیں۔ان سدا بہار کاروانوں کی زبان،عقائد،فکروفلسفہ میں گزرتے ہوئے زمانوں کے ساتھ فرق ضرور آتا رہا لیکن پہاڑوں کے اس پار ان کی میزبانی میں فرق نہیں آیا۔ یہ میزبانی کبھی بلا مزاحمت بصدِ شوق ہوئی،کبھی انسانی جبلت کے مطابق بہ زوراور بہ جبر ہوئی۔لیکن بہرصورت حاصل ایک ہی رہا، روایات اور ثقافت کا باہم دیگر آمیز ہونا اور نئی معاشرتوں کا وجود میں آنا اور سابقہ اور نئے سماجوں کے درمیان لین دین جاری رہنا۔

''جہانِ فارس'' سے یہ رشتے قدیم ترین ہیں اور وہاں سے یہاں تک ہماری روایات کے تسلسل کا حصہ ہیں۔جس عالم کی طرف میں اشارہ کررہا ہوں اسے ماضی میں صرف ایران کہہ کر آگے بڑھ جاتے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ جزو ایک بڑے کل کا حصہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے۔آج یہ حقیقت زیادہ واضح ہوگئی ہے،شاید یہ یاد دلانے کی ضرورت ہو کہ ہمارے ملک میں صدیوں تک حکمراں مغلیہ خاندان کا مورث اعلیٰ بابر اوزبک تھا۔اب اس کا مولد و مسکن اوزبکستان ایک نئے جمہوری ملک کی حیثیت رکھتا ہے جس کی قومی زبان بھی ایران کی طرح فارسی ہے۔یہی کیفیت سابق سویت یونین کی کوئی پون صدی کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے والی کوئی نصف درجن دیگر جمہوریتوں کی ہے مثلاً آذربائیجان،ترکمانستان،تاجکستان،قازقستان،کرغیز یا وغیرہ۔

بحیثیت مجموعی نصف درجن سے زیادہ ملکوں کی قومی زبان فارسی یا اس سے ملتی جلتی بولی ہے۔ان کے درمیان ایران کو ایک قائدانہ حیثیت حاصل ہے جس کی تاریخ یہ ہے کہ اس نے کبھی کسی کی اطاعت نہیں قبول کی، کسی بیرونی طاقت کے تابع فرمان نہیں رہا، ابھی ہمارے سامنے کی بات ہے کہ اسے اپنے ایٹمی پروگرام کی تحدید پر مجبور کرنے کے لیے کوئی دباؤ کارگر نہیں ہوا۔۳۲ برس تک اس کے خلاف عالمی اقتصادی پابندیاں بھی اسے اپنے اختیار کردہ طرزِ عمل کو ترک کرنے پر مجبور نہیں کرسکیں بالآخر اب دیگر اقوام ان پابندیوں کو ختم کرنے پر مجبور ہوئیں۔اس کی بڑی وجہ وہی ممالک کا بڑھتا ہوا انحصار باہمی ہے جس کی طرف وزیراعظم نے اشارہ کیا ہے۔سوال یہ ہے کہ انحصار باہمی کی وہی ضرورت ایران کو کیوں نہ مجبور کرسکی؟ ظاہر ہے آج کی مادہ پرست دنیا میں اقتصادی منفعت سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اسی کے ساتھ تحفظ اور دفاع کی ضرورت بھی جوڑی ہوئی ہے لیکن جس قوم کے خون میں قومی فخر رچا بسا ہوا ہو، جس کے مزاج میں جذبہ شہادت کو جزو ایمان کی حد تک اہمیت حاصل ہو وہ ساری دنیاوی منفعتوں کو ٹھکرا سکتی ہے۔سارے اندیشوں اور خطرناک مضمرات سے بے پروا ہوسکتی ہے۔یہی صورت ایران اور اہلِ ایران کی ہے جو انھیں اقوام عالم کی صف میں ایک منفرد مقام عطا کرتی ہے۔ہمیں جہانِ فارس سے اپنے روایتی تعلقات میں استواری اور تازگی کی کوششوں میں ان بین حقیقتوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ جہانِ فارس کا یہی سلسلہ جنوب کی طرف افغانستان تک دراز ہوگیا ہے۔

اس ظاہری سلسلے کے علاوہ بھی کئی اور عناصر ہیں جو ان ہم زبان اقوام کے درمیان انسلاک کا موجب ہیں۔ جیسے کہ کرد۔ یہ وہ بدنصیب قوم ہے جو زبان اور عقیدے کی پختہ وابستگی اور تہذیبی تسلسل کے باوجود کئی طاقتور پڑوسیوں کے درمیان پھیلی اور بٹی ہوئی ہے۔ایران،عراق،ترکی اور شام کے علاقوں میں آباد کردوں کی مجموعی تعداد

ساڑے تین کروڑ کے قریب ہے جو بہتیرے ملکوں کی آبادی سے زیادہ ہے۔ایک آزاد، خودمختار قوم کی حیثیت سے اپنے وجود کے لیے ان کی تمنا ان سب منقسم اعضاء کے درمیان مشترک ہے لیکن ان کی اس آرزو کو پامال کرنے پر ان کے سارے طاقتور پڑوسی متفق ہیں، ان کی اس آرزو سے کسی کو کوئی ہمدردی نہیں ہے۔اس طرح مسلم اقوام کی صف میں ایک غیور، مہذب اور طاقتور رکن کے اضافے اور اس کے دوررس فائدوں پر کسی کی نظر نہیں ہے۔

یہ سارا خطہ بیش بہا قدرتی وسائل سے مالا مال ہے جس سے ابھی پچیس برس پہلے تک سویت یونین فائدہ اٹھاتا رہا۔ان سب سے ہندوستان کے تعلقات روایتی طور پر اچھے رہے ہیں۔اب ان کے وسائل سے فائدہ اٹھانے کی حکمت پر بھی ہندوستان کو غور کرنا چاہیے۔اسی سلسلے کی ایک کارروائی کردوں کے لیے بھی کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ہندوستان سلامتی کونسل کی مستقل رکنیت اور عالمی امور میں بڑے رول کے لیے کوشاں ہے جو بہ اعتبار آبادی اور بہ لحاظ جمہوریت ہر دو اعتبار سے اس کے شایانِ شان ہے۔چنانچہ کردوں کا کاز بھی ہندوستان کی توجہ کا متقاضی ہے۔یہ حسنِ اتفاق ہے کہ سارے متعلقہ پڑوسیوں سے اس کے تعلقات روایتی طور پر خوشگوار رہے ہیں، چنانچہ وہ اپنی کوششوں سے اتنا تو کر ہی سکتا ہے کہ اس منقسم قوم کے اعضاء کے درمیان باہمی روابط کو آسان بنانے کے لیے اپنی کوششوں سے اتنی بڑی آبادی کی ہمدردیاں حاصل کرلے۔

مودی گورنمنٹ کو جہان فارس کی اہمیت کا پورا احساس ہے۔گزشتہ مئی میں ہندوستان، ایران اور افغانستان کے درمیان ایرانی بندرگاہ چابہار سے متعلق معاہدہ اہمیت کے احساس کا مظہر ہے۔ابھی حال ہی میں ان تینوں ملکوں کے وزراء کی اس بندرگاہ سے متعلق ایک میٹنگ بھی ہوئی ہے۔افغانستان کا معاملہ یوں ہے کہ وہ کئی ملکوں سے گھرا ہوا ہے چنانچہ عالمی ضابطوں کے مطابق اس کو پڑوسی ملک میں سے گزرگاہ کا حق حاصل ہے اسی کے مطابق اس کی ساری بیرونی تجارت اور لین دین پاکستانی بندرگاہ کی معرفت اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔اس ایرانی بندرگاہ کی سہولت حاصل ہوجانے کے بعد اس کو عالمی بحری گزرگاہوں سے اپنا کاروبار جاری رکھنے کی ایک بڑی سہولت مل جائے گی۔اسی راہ سے ہندوستان کے مال کی بھی افغانستان کے لیے آزادانہ برآمد ہوسکے گی۔

ہندوستان کا معاملہ یوں ہے کہ ایرانی گیس کی پائپ لائن کے ذریعہ ہندوستان کو فراہمی کا مسئلہ ایک عرصہ سے کھٹائی میں پڑا ہے۔اس پائپ لائن کو پاکستانی سرزمین سے گزرنا ہے، اس لیے اس راہ میں طرح طرح کی مشکلیں حائل ہیں۔اب ایک نیا امکان پیدا ہوتا نظر آتا ہے کہ چابہار بندرگاہ سے ٹینکروں کے ذریعہ گیس کی سپلائی ہو۔اس کے علاوہ مشرق وسطیٰ سے لے کر سنٹرل ایشیا کے پورے خطے سے ہندوستانی تجارت کی سہولتیں بڑھ جائیں گی۔

انہی گرم پانیوں تک رسائی کا راستہ بنانے کی غرض سے سابق سوویت یونین نے افغانستان پر چڑھائی کردی تھی دس برس تک جاری رہنے والی جنگ کا حاصل یہ ہوا کہ افغانستان پامال ہوگیا اور خود سویت یونین کا وجود ختم ہوگیا، اس جنگ کے بعد روسی افغانستان میں بے گھر بار افغان مہاجروں کی ایک فوج چھوڑ گئے وہی عالمگیر دہشت گردوں کے اسلاف ہیں۔

یونیورسٹیوں کا رول:

مزید براں جہانِ فارس کے تمام ممالک کے درمیان ادب کا رشتہ بڑا مضبوط اور جذباتی ہے اور یہ رشتہ افغانستان اور کشمیر تک پھیلا ہوا ہے۔ اس سے استفادہ کے لیے ہندوستان بہت کچھ کرسکتا ہے۔ اس کے لیے بڑا مضبوط بنیادی ڈھانچہ تاریخی اور روایتی طور پر موجود ہے۔ بدقسمتی سے اس پر غلط انداز سیاست کی گرد جم گئی ہے۔ یہی وہ مقام اور مرحلہ ہے جہاں یہ یونیورسٹیاں بڑا اہم رول ادا کرسکتی ہیں۔ ملک کی تقریباً ہر بڑی یونیورسٹی میں فارسی کے شعبے موجود ہیں۔ یہ بغور دیکھنے کی بات ہے کہ ان شعبوں میں تعلیمی نصاب وہی روایتی ہے یا دورِ حاضر کی ضرورتوں کے مطابق اس میں نئی جہات اور نئی دانشوری کو جگہ دی گئی ہے۔ ایران میں انقلاب اور اس کے صرف ایک عشرہ بعد سویت یونین کی شکست وریخت کے نتیجے میں جہانِ فارس کی نصف درجن جمہوریتیں نئی توانائیوں کے ساتھ وجود میں آئیں اور جہانِ فارس کو نئی جہات سے روشناس کرایا ہے۔ دنیا کے اس خطے میں ایسی قدرتی معدنیات ہیں جن کی دنیا بھر میں مانگ ہے۔ اقوامِ متحدہ میں ان کی رکنیت کے بعد عالمی امور میں ان کے گروپ کی ایک آواز ہوگی۔ ہمیں ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی یونیورسٹیوں کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اس کام میں یو.جی.سی کے علاوہ ثقافتی امور کی وزارت کو بھی بڑا اقدم اٹھانا ہوگا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان بھی اس راہ میں مفید مشورے دے سکتی ہے۔ ابھی حال ہی میں یو.جی.سی کے ایک پروجکٹ کے تحت جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں ٹیگور پر بڑا وقیع کام ہوا ہے، ان کی تصانیف کے بنگلہ زبان سے اردو میں ترجمے کیے گئے ہیں۔ فارسی کے معاملے میں صرف ترجمہ کافی نہیں ہے۔ فارسی ادب کے ہندوستانی زبانوں میں ترجموں کا بڑا ذخیرہ موجود ہے اسی طرح قدیم ہندوستانی ادب بالخصوص سنسکرت کے ترجمے ایران میں بزبان فارسی موجود ہیں۔ ضرورت ہے ایران میں نئی دانشوری کی تلاش اور ہندوستانی مفادات کے پیش نظر اس سے استفادہ کی۔ یہ کام صرف ایران تک محدود نہیں رکھا جاسکتا اسے پورے جہانِ فارس میں تلاش کرنا ہوگا جو افغانستان تک پر محیط ہے۔

اس راہ میں ثقافتی اداروں کا رول بھی کچھ کم اہم نہیں ہے۔ اس کی ایک مثال ابھی سامنے آئی ہے۔ ''جشن بہار'' ٹرسٹ کی روح وروان کامنا پرساد نے انڈیا انٹرنیشنل سنٹر میں ایرانی شعراء سے متعلق ایک تصویری نمائش کا اہتمام کیا اور بتایا کہ اسی طرح کی ایک نمائش کا تہران میں اہتمام کیا جاچکا ہے۔ ہندوستانی ادب پر فارسی ادب کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ مہابھارت اور اپنشد اور کئی ہندو مذہبی کتابوں کے فارسی میں ترجمے کیے گئے۔ داراشکوہ نے گیتا کا ترجمہ فارسی میں کیا تھا۔ کلکتہ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ہیرالال چوپڑہ نے جولاہور سے ہجرت کرکے ہندوستان آئے تھے ۱۹۵۰ء والے عشرے میں تہران جاکر وہاں کئی مہینے قیام کیا، اس دوران انھوں نے داراشکوہ والے گیتا کے ترجمہ کو ایڈٹ کیا تھا۔ پھر اس راہ میں کیا ہوا اس کا پتہ نہیں۔ اس طرح کی کوششوں کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ یہ کام وزارت ثقافت حکومت ہند، یو.جی.سی، ہماری یونیورسٹیوں اور ثقافتی اداروں کے ارتباط اور تعاون سے مفید طور پر انجام دیا جاسکتا ہے۔

امریکہ میں منتخب عہدے

اگرچہ امریکہ میں واحد وفاقی حکومت ہے لیکن اس میں حسبِ ذیل شامل ہیں

۵۰ ریاستی حکومتیں

۳ لاکھ سے زیادہ عہدے مقامی حکومتوں کے (کاؤنٹی، سٹی اور ٹاؤن کی)

اور تقریباً ۲ لاکھ مخصوص مقاصد کے اضلاع جیسے کہ اسکولی اضلاح، پانی کے اضلاع، نتیجے کے طور پر امریکی ووٹروں کو صرف صدر اور کانگریس (پارلیمنٹ) کے لیے نہیں ووٹ دینا ہوتا ہے بلکہ ریاستی اور مقامی حکومت کے ہزاروں عہدیداروں کے لیے بھی ووٹ دینا ہوتا ہے جن میں ریاستی قانون ساز ممبر، ریاستی گورنر اور لیفٹیننٹ گورنر، ریاستی آڈیٹر، کاؤنٹی کمشنر، ٹاؤن اور سٹی میئر، ایلڈرمین، جج، کانسٹبل، مجسٹریٹ، شریف، جسٹس آف پیس اور اسکول بورڈ، کالج بورڈ، یوٹیلٹی بورڈ کے ممبران اور عوامی ٹرسٹ کے عہدیدار شامل ہیں۔

کچھ غیر معمولی قسم کے منتخب عہدے بھی ہیں جیسے کاؤنٹی کورونر، آبپاشی اضلاع اور ٹاؤن سمٹری کمیشنوں کے ممبر اور درختوں کے وارڈن یعنی وہ افسران جو شہری املاک پر مخدوش درختوں کو ہٹانے کی نگرانی کرتے ہیں۔